علامہ آئی آئی قاضی کے اسلامی افکار کی خصوصیات کا مختصر جائزہ

A BRIEF ANALYSIS ON CHARACTERISTICS OF ISLAMIC THOUGHTS OF ALLAMA I.I.KAZI

☆شاہد نذیر خان

ریسرچ اسکالر سندھ یونیورسٹی جامشورو

☆☆ڈاکٹر بشیر احمد رند

چیئرمین شعبہ تقابل ادیان وثقافتِ اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی جامشورو

Abstract:

The highly reputed philosopher and scholar of Sindh Allama I.I.Kazi (1886-1968) does not require any formal introduction. He passed Sindhi Vernacular Final Examination in A.D. 1904 with flying colors. In A.D.1905, he passed matriculation examination from Bombay. He sought admission in Aligrh University in A.D. 1906, and studied Economics privately in London in 1907. In 1909, Allama I.I.Kazi got admission in London School of Economics, and was awarded the degree of barrister from Lincoln's Inn in 1911. In 1924, he was appointed as vice president of an organization " Poetry Society"; he held this office till 1943. He was awarded a lifetime membership of England Philosophical Society in 1929. During his stay in London School of Oriental Studies, he received an absolute learning of Arabic language from Sheikh Goma, a professor in Al-Azhar University, and then from Dr. Teason.

During his stay in London, besides Quranic Studies and Islamic Learning, he profoundly studied the wide and varied range of the worldly disciplines which include Philosophy, biology, botany, physics, chemistry, geology, astronomy, art, architecture, music, poetry and literature. In the same time, he tendered his sincere services for the Jamiat ul Muslimeen.

علامہ کے اسلامی فکر وفلسفہ کا تعارف

انیسویں صدی عیسوی میں مغربی تہذیب و افکار کی یلغار کے ساتھ ہی مغرب سے خدا، کائنات اور انسان کے بارے میں جو تصورات اور نظریات طوفان کی تیزی کی طرح اُٹھے جنھوں نے اہل مغرب کو خالص مادہ پرستی کے راستے پر ڈال دیا اور ان کے ذہن، فکر اور مزاج کی نشو نما میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ان نظریات نے ریاست کے سارے اجتماعی نظام اور عملی زندگی کے سارے

شعبوں، نظام تعلیم، نظام قانون، نظام تربیت، نظام ابلاغ کو سیکولرزم کی بنیاد پر تشکیل دیا اور اجتماعی زندگی کے عملی مسائل کو آزاد اور عقل محض سے حل کرنے کا اصول طے کیا اور اس معاملہ میں مذہب اور مذہبی تعلیمات، خدا اور وحی کی تعلیمات کو یکسر مسترد کر کے مادر پدر آزادی، جمہوریت اور سائنٹفک حقیقت کو سب سے آخری صداقت کے طور پر تسلیم کرنے کا راستہ اپنایا۔ مغرب کے یہ نظریات اہل مغرب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ اسلامی دنیا میں بھی یہ نظریات، جدید تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ کے توسط سے پھیلنے لگے، جس سے عالم اسلام کی نئی نسل سیکولرزم، جدیدیت، آزادی، مذہب بیزاری، اسلام پر عدم اعتماد، عقل کے ذریعے مسائل کے حل کے موقف اور نقطہ نگاہ کی حامل ہونے لگی۔ چونکہ عقلیت اور سائنٹفک حقیقت کے نام پر جدیدیت نے خدا، مذہب، وحی، اسلامی شریعت اور نبوی تعلیمات کے خلاف اذہان کو ہموار کرنے کے لئے انسانی فکر کی از سر نو تشکیل کا کارنامہ سرانجام دیا تھا، استدلال کی نئی عمارت کھڑی کی تھی، نظریات کو نئی بنیادیں فراہم کی تھیں اور علوم وفنون کے سارے شعبوں میں کائنات کی خالق ہستی کے انکار، عقل سے ماوریٰ حقائق کا بطلان، الٰہی نور، روحانیت، وجدانیت، اور انسان کے نورانی الاصل وجود سے انکار کی فکر کو اس طرح شامل کیا تھا کہ جدید انسان کے لئے مادیت کے ان افکار اور نظریات سے متاثر ہوئے بغیر رہنا مشکل تھا۔ مغرب کی یہ قوتیں جب عالم اسلام میں استعمار کی حیثیت سے غالب ہوئیں تو انہوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کی تبدیلی اور از سر نو نظام تعلیم کی تشکیل کے ذریعے اپنے ان نظریات کو ملت اسلامیہ پر بھی مسلط کرنا شروع کیا، ان حالات میں عالم اسلام اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لئے اہم مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ وہ اپنی جدید تعلیم یافتہ نسل کو جدیدیت کے اس سیلاب سے بچاکر فکری اور شعوری طور پر اس کا اسلام پر اعتماد کیسے قائم اور برقرار رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں قدرت نے ملت اسلامیہ کی جدید تعلیم یافتہ نسل کی اسلامی بنیادوں پر ذہن سازی کے لئے نئے دور کے نئے مفکروں اور دانشوروں سے کام لیا۔ اس طرح کے مفکروں میں عالم اسلام میں پہلی اور دوسری سطح کی کافی شخصیتیں سامنے آئیں۔ علامہ آئی آئی قاضی ان مفکروں اور دانشوروں میں صف اول کی شخصیات میں شامل ہیں۔(1)

علامہ آئی آئی قاضی کی فکر میں ایک ممتاز فلسفی کی حیثیت سے سیاست ‘معیشت ‘معاشرت ‘خاندان ‘افکار ‘نظریات اور دنیا بھر کے علوم کے بارے میں بہت ساری قیمتی معلومات اور نکات موجود ہیں۔ لیکن انکی فکر جس مرکزی نصب العین کے گرد گھومتی ہے اور جس فکر کو مقصدیت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ معاشرے اور ریاست کی ساری تشکیل کا انحصار فرد کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل پر ہے اور فرد کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدرت کی طرف سے ہر فرد میں اس طرح کی جوہری صلاحیتیں رکھی گئیں ہیں کہ اگر ان صلاحیتوں کو جِلادی جائے اور ان کی نشو ونما کی جائے تو فرد ‘معاشرہ اور ریاست خیر ‘بھلائی اور

انسانی جوہر سے عبارت ہو سکتا ہے اور انسانی اوصاف کے کمال و عروج کا مظہر ہو سکتا ہے۔ اس لیے ریاست کے لیے اس طرح کا نظام تعلیم ترتیب دینا ضروری ہے جس سے افراد کی خوابیدہ باطنی صلاحیتین بیدار ہوں اور انکا رشتہ خیر کی طاقتوں سے مضبوط بنیادوں پر استوار ہو' تاکہ وہ شر و شیطانیت اور حیوانیت کی طاقتوں پر فتح حاصل کرکے معراج انسانیت کے ارفع مقام پر پہنچ سکے۔(2)

علامہ آئی آئی قاضی جہاں خودشناسی اور نفس شناسی کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے وہاں موصوف جدید و قدیم مذاہب اور فلاسفروں کے فلسفے کے بھی عالم تھے۔ اس سلسلے میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ سندھ نے پچھلے سو سال کے دوران علامہ آئی آئی قاضی جیسا فلاسفر اور دانا پیدا نہیں کیا' ایسے دانشور جو فکر و نظر اور فلسفے کے مسائل سے لیکر تاریخ عالم مذاہب کی حقیقت، خودشناسی ،نفس شناسی اور عرفان کے مسائل سے نا صرف واقف تھے بلکہ ان بنیادی علوم کے ماہر بھی تھے ۔ علامہ تیس سال تک یورپ میں رہے' وہاں انہیں اس فکر اور اس فکر کے حامل دانشوروں اور عام لوگوں کو طویل عرصہ تک قریب سے دیکھنے اور سمجھنے' اور انکی ذہنی و علمی سطح کے مطابق ان کے سامنے اسلامی دعوت اور اسلامی فکر کی تشریح کرنے کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں علامہ کا کام اتنا اہم ہے کہ اسلامی دنیا میں بہت کم مفکر اور حکیم ایسے ہیں' جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ انھوں نے جدید تعلیم یافتہ نسلوں کے سامنے انکی اپنی زبان اور انکی اپنی ذہنی سطح کے مطابق انکے سامنے اس حکیمانہ انداز سے اسلامی فکر اور اسلامی دعوت پیش کی ہے کہ جدید اسلوب کے حامل افراد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

علامہ نے زندگی بھر کے وسیع مطالعے ،دنیا کی سیر و مشاہدے ، قرآن سے خاص تعلق اور مراقبوں کے ذریعے قلب کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کے بعد فلسفہ ،مذاہب ، نظریات اور تصوف کے بارے میں جو نقطہ نگاہ اختیار کیا ہے جسے وہ ساری زندگی پیش کرتے رہے ،وہ نہایت معتدل اور متوازن موقف ہے،وہ موقف یہ ہے کہ فلسفے کہ ساتھ اگر باطن کی روشنی موجود نہیں تو وہ فلسفہ الفاظ کا ہیر پھیر بن جاتا ہے۔ جس فلسفے میں باطن کی روشنی موجود ہے لیکن وحی الہیٰ موجود نہیں تو ایسی فکر و فلسفہ انفرادی طور پر افراد کے لیے شاید مفید ہو لیکن معاشرے اور ریاست کے لیے ہر گز کار گر نہیں ہو سکتا ۔ مذاہب کے بارے میں علامہ کا موقف یہ تھا کے انسانیت جب تک ذہانت ،رسل و رسائل ، آمد و رفت کے ذرائع اور سائنسی ترقی کے اعتبار سے پوری طرح بالغ نہیں ہوئی تھی،اس وقت تک ہر شہر ہر گاؤں اور ہر قوم کے لیے الگ الگ نبی مبعوث کرنے کا سلسلہ جاری تھا، لیکن جوں ہی انسانیت بلوغت کی منزل پر پہنچی تو آخری رسول (رسالت مآب ﷺ) مبعوث فرما کر رسالت کا سلسلہ ختم فرمادیا گیا۔ حضو

ر ﷺ سے پہلے انبیا کی حیثیت ستاروں کی روشنی کی مانند تھی جبکہ حضور انور ﷺ کی روشنی کی مثال سورج کی روشنی کی سی ہے ۔رسالت مآب ﷺ سے پہلے انسان کو ستاروں کی روشنی کی ضرورت تھی جس کا اللہ کی طرف سے مسلسل انتظام ہوتا رہا ہے، لیکن سورج کی روشنی کے بعد ستاروں کی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسلام کے کامل مذہب ودین کے بعد دوسرے مذاہب کے اصلاحی سلسلوں کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اسلام میں اصلاح کا پورا نظام اور پروگرام سمویا ہوا ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کے بارے میں علامہ کا یہ وہ موقف ہے جسے علامہ نے اپنی تقاریر و تحریروں میں بیان کیا ہے۔(3)

ہماری نظر میں علامہ آئی آئی قاضی کی فکر نہ صرف سندھ بلکہ پوری مسلم دنیا کی جدید تعلیم یافتہ آبادی کے لئے صحیح نظریاتی خطوط متعین کرنے اور انہیں نئے دور کے چیلنج سے عہدہ بر آہونے اور جدیدیت کی پر فریبیوں اور بھول بھلیوں سے نکالنے اور ان کی علمی رہنمائی کے لئے نہایت موثر اور از حد مفید فکر ہے، بلکہ اس سلسلہ میں پچھلی ایک صدی میں علالم اسلام میں جن فلاسفروں اور دانشوروں نے ملت اسلامیہ کی فکری رہنمائی کے لئے کام کیا ہے۔ علامہ ان شخصیتوں میں پہلی صف میں شامل ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ بر صغیر ہند میں علامہ اقبال کے بعد علامہ آئی آئی قاضی دوسرے فلسفی ہیں، جنہوں نے مشرقی و مغربی افکار کو جذب کرنے کے بعد مسلمانوں کی بیداری کے سلسلہ میں بلند آہنگی اور خود اعتمادی سے فکر پیش کی ہے۔

جدید دور کے اسلامی مفکرین میں علامہ آئی آئی قاضی کو ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ جدیدیت کی علمی تردید اور اسلامی فکر کو اس کے تاریخی پس منظر میں پیش کرنے اور اسلام کے لئے استدلال و استنباط کی نئی عمارت کھڑا کرنے کے سلسلے میں علامہ نے فکر اسلامی کی تشکیل میں اسلام کی نصب العینی تعلیم اور اس کے فرائض و واجبات کے نظام اور اس کی ترتیب میں اور افراط و تفریط کے بجائے اعتدال و توازن سے کام لیا ہے اور قلب سلیم و عقل سلیم کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ دور جدید کے سیاسی ‘معاشی ‘اجتماعی فکر و فلسفہ اور طاقتور ریاستی نظاموں سے ذرہ بھر بھی مرعوب اور متاثر ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ علامہ کی فکر کی یہ ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس میں وہ صف اول کے کئی اسلامی مفکروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

علامہ کا اسلامی فکر و فلسفہ موتیوں کی طرح انکی تقاریر (و خطبات (اور تحریروں میں بکھرا ہوا ہے۔ علامہ کے ان گراں قدر موتیوں کو انکے خاص مخلصین و تلامذہ جو سندھ کے نامور اسکالرز بھی ہیں‘ نے انتہائی کاوشوں سے جمع اور شایع کیا۔ ان حضرات میں جسٹس اے کے بروہی صاحب‘ پروفیسر احمد محمد قاضی صاحب‘ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب‘ ڈاکٹر اے جے ہالی پوتہ صاحب‘ جسٹس مشتاق

علی قاضی صاحب، ڈاکٹر عبدالعزیز عمرانی صاحب، محمد موسیٰ بھٹو صاحب، ڈاکٹر این بی جی قاضی صاحب، پروفیسر امینہ خمیسانی صاحبہ قابل ذکر ہیں۔

علامہ آئی آئی قاضی کے اسلامی افکار کی خصوصیات کا مختصر جائزہ

علامہ آئی آئی قاضی کے اسلامی افکار کی خصوصیات کا جائزہ پیش کرنے سے پہلے یہاں ضروری ہے کہ علامہ کی تحریر و تقاریر کی روشنی میں مسلمانوں کے زوال کا تجزیہ پیش کردیا جائے تاکہ انکے اسلامی افکار و فلسفہ کی تفہیم بآسانی ہوسکے۔ علامہ نے طویل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے زوال کے سلسلہ میں جو تجزیہ کیا اس کے مطابق فکر و عمل کی درج ذیل کمزوریاں ہیں جو ان کی پسماندگی اور غلامی کا سبب بن رہی ہیں۔

۱۔ غور و فکر اور اجتہاد سے کام لینے کی بجائے تقلید محض سے کام لینا اور اسلاف کی علمی رہنمائی کو کامل مکمل سمجھ کر قرآن و سنت پر تفکر سے کام نہ لینا۔

۲۔ ابتداء میں کئی صدیوں تک مسلمانوں نے مظاہر قدرت کے مطالعہ و مشاہدہ اور سائنسی علوم کی ترقی اور فروغ کے لئے جو ادارے مستحکم کئے۔ رفتہ رفتہ ان اداروں کا روایتی تحقیق میں تبدیل ہونا۔ بالآخر ان کا خاتمہ ہونا۔

۳۔ مطالعہ کتاب اور تخلیق کتاب کے کام سے عمومی بے اعتنائی۔

۴۔ اہل دانش ،اہل علم و اہل فضل کی تکریم کے بجائے ان کی تضحیک اور بے قدری کی روش کا ہونا۔

۵۔ اسلام کی روحانیت کو قل سیر وافی الارض فانظر وا کے حکم سے مستثنیٰ تصور کرکے محض باطن میں غوطہ زنی پر زور دیتے رہنا اور اس غوطہ زنی کا بھی رسوم وروایات اور سطحیت کی صورت میں مبدل ہو جانا۔

۶۔ قومی اور ملی معاملات کو مشاورت کی حقیقی روح سے طے کرنے کی بجائے فرد واحد کو کلی اختیارات دے کر معاملات چلانا ،جس سے ملت میں مشاورت کی روح کا مجروح ہونا اور اوپر سے نیچے تک فرد واحد کے گرد خوشامدیوں کے گروہ کا مجتمع ہونا اور فرد واحد یعنی بادشاہ کے احتساب کے نظام کا مفلوج ہونا۔

۷۔ قومی اور ملی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دینا، بالخصوص مسلمانوں کے بااثر اور مالدار طبقات کے اغراض پرستی اور مفاد پرستی کے جذبات سے مغلوب ہونا اور ملت کے درد سے بڑی حد تک عاری ہونا۔

۸۔ ایمان و یقین کی قوت کا بڑی حد تک مضمحل ہونا اور اس قوت میں پوشیدہ عروج کے راز سے ناآشنا ہونا۔ یہ تو زوال کے وہ اسباب ہیں جو صدیوں سے مسلم امت میں داخلی طور پر کار فرما تھے، جس کی وجہ سے ان کی قوت مفلوج ہو گئی اور وہ مغربی قوتوں کے غلام بن گئے۔ مغربی قوتوں کی سیاسی معاشی اور فوجی غلامی نے زوال کو مزید گہرا کر دیا اور بڑھتے ہوئے زوال میں مزید مندرجہ ذیل اسباب کو شامل کر دیا۔

۱ ۔ مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی دور کے بعد مذہب کی نامکمل اور مسخ شدہ تعلیمات اور بانیاں مذہب کے کردار کے رد عمل میں وہاں خدا و مذہب کے خلاف جو بغاوت پیدا ہوئی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل میں جس طرح مادہ پرست نظریات اور عقل محض کو فیصلہ کن اہمیت دی گئی، اس سے مغرب میں انسان و کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں بے خدا نظریات کی تخلیق کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں مغربی انسان ایک طرف تو اعتقادی طور پر گمراہی کی راہ پر گامزن ہوا۔ عقل اور سائنس کو خدا کی جگہ دی جانے لگی اور انسانی نظریات کو آفاقی حیثیت دی جانے لگی۔ دوسری طرف مافوق الفطرت اعتقادات کے بند ٹوٹ جانے کی وجہ سے نفس کی پوجا کے سارے تاریخی ریکارڈ ٹوٹنے لگے، ہر وہ چیز جو عیش و عشرت اور نفس پرستی اور افراد کی لذت کی راہ میں حائل ہے۔ اس کا تقدس ختم ہو گیا۔ خاندانی ادارہ تباہ ہوا، معاشرتی روایات ختم ہوئیں۔ باہمی محبت اور ایک دوسرے کی تکریم کا سلسلہ متاثر ہوا۔ غرض کہ ساری اجتماعی زندگی کی تشکیل مادی مفادات اور مادی اصولوں کے تحت ہونے لگی۔ چونکہ مغرب کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں یہ تغیر مادہ پرستانہ افکار و نظریات کی بنیاد پر ہوا تھا۔ اور مسلمان ملکوں میں یورپی قوموں کے سیاسی اور فوجی غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کی نئی نسل کا ان نظریات سے متاثر ہونا یقینی ہے۔ اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔

۲ ۔ مشنری کی ایجاد اور سائنسی ترقی نے انسانی علوم میں جو غیر معمولی اضافہ کیا، ان سارے علوم کو منظم اور مرتب شکل میں خدا کے انکار اور انسان کے روحانی وجود کی تردیدی اور مادے کے آخری حقیقت کے طور پر پیش کیا جانے لگا اور مادہ پرستی کا نظریہ ایک سائنٹفک نظام فکر کی حیثیت سے پیش ہونے لگا۔ اور دنیا کے مفکرین شب و روز اپنی توانائیاں یہ ثابت کرنے میں صرف کرتے رہے کہ مذہب انفرادی زندگی میں پوجا پاٹ کی حد تک تو صحیح ہے لیکن زندگی کے عملی مسائل اور اجتماعی زندگی میں رہنمائی کے لئے کسی خدا اور دین و مذہب کی کوئی ضرورت نہیں۔

جو نظریات مغربی انسان کے بعد اب مسلم دنیا کے ذہین افراد کے لئے چیلنج بن کر سامنے آئے ہیں ان میں سے کچھ نظریات یہ ہیں:۔

۱ ۔**مادیت:** یعنی کائنات مادہ سے عبارت ہے یہاں مادہ کے علاوہ کسی دوسری طاقت کا کوئی وجود نہیں ہے، مادہ اپنی علت بھی خود ہی ہے۔

۲ ۔ **فطرت:** دنیا کا نظام قوانین فطرت کے تحت چل رہا ہے۔یہ قوانین فطرت مادہ ہی کی دوسری شکل ہیں۔

۳ ۔**لاادریت:** چونکہ ہم خدا یا دوسری غیر مادی اور مافوق الفطرت چیزوں کا ادراک نہیں کرسکتے، اس لئے اس سلسلے میں کوئی رائے قائم نہیں کرسکتے (یہ نظریہ مذہب کی حمایت و مخالفت کے سلسلہ میں غیر جانبدار ہے، موجودہ دور کے بیشتر سائنسدان اس نظرے کے حامل ہیں)۔

۴ ۔**عقل پرستی اور عقلیت:** چونکہ صحیح علم عقل کی معرفت حاصل ہوتا ہے اس لئے انسانی عقل ہی آخری چیز ہے۔

۵ ۔**مذہب انسانیت:** چونکہ کائنات میں اصل مرکزی حیثیت انسان کی ذات کو حاصل ہے اس لئے انسانیت کا مذہب یا آخری مقصد خدا کی رضامندی یا آخرت میں نجات کے بجائے انسانیت کی فلاح ہونی چاہئے۔

۶ ۔ **آزاد روی:** مذہب اور اخلاق وغیرہ انسان کے لئے زنجیر کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی بندھنوں سے آزادی حاصل کرنا چاہئے۔

۷ ۔**افادیت:** جو کام فرد کے لئے مفید ہو وہی سچ اور حقیقت ہے۔

۸ ۔**لذتیت:** جس چیز سے لذت حاصل ہو وہی فرد کا آخری نصب العین ہے۔

۹ ۔**ڈارونیت:** انسان اور دیگر تمام انواع حیات کا ارتقاء ایک سادہ جاندار سے طبعی انتخاب اور بقائے اصلح کے قوانین کے ذریعہ ہوا ہے، اس لئے کائنات کا سلسلہ ارتقاء، نظریہ ارتقاء سے وابستہ ہے، خدا وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔

۱۰ ۔ **نظریہ جبلت:** انسان مکمل طور پر حیوانی جبلتوں سے عبارت ہے اس لئے اس کے اعمال و افعال کی محرکہ قوتیں حیوانی جبلتیں ہی ہیں۔

۱۱ ۔ **نظریہ جنسیت:** انسان کو مصروف عمل رکھنے والی اصل قوت جنسیت یعنی جذبہ جنسیانیت نہیں۔ بلکہ جذبہ تفوق اور جذبہ بالاتری ہے یعنی یہ جذبہ کہ انسان دوسروں سے فائق ہونا چاہتا ہے، اس لئے وہ ایک خود پرست حیوان ہے۔

۱۲ ۔**اشتراکیت:** انفرادی ملکیت کا خاتمہ اور نیشنلائزیشن کا نظریہ۔

۱۳ ۔**نیشنلزم:** یعنی لسانی تہذیبی اور جغرافیائی بنیادوں پر ہر قوم کو خود مختاری کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

۱۴ ۔**لادینیت:** یعنی ریاست کے نظام کی تشکیل اس طرح ہو کہ اس میں مذہب وغیرہ کو کوئی عمل دخل حاصل نہ ہو، ریاستی اداروں کا آزادانہ طور پر فروغ۔

علامہ آئی آئی قاضی کی فکر کی اہمیت، افادیت اور اس کے امتیازی پہلوؤں سے واقفیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم علامہ کی فکر کے اہم اقتباسات پیش کریں تاکہ معلوم ہو کہ علامہ علم و ادب کتاب کی اہمیت اور قوموں کے عروج وزوال کے قوانین سے لے کر زندگی کے اہم اور عمومی مسائل تک کے بارے میں کیا نکات پیش کرتے ہیں اور وہ نئی نسل کی کس طرح رہنمائی فرماتے ہیں۔ اگرچہ درج ذیل اقتباسات طویل ہیں لیکن اہمیت کے پیش نظر اس لیئے ضروری ہیں تاکہ ایک ہی نظر میں علامہ کے بنیادی فکری خطوط سامنے آسکیں اور اس فکر کی قدر و قیمت کا صحیح تعین ہو سکے:

"تمام مذاہب اور انکے فلسفے ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں اور ایک ہی مقصد کے لئے ہیں۔ اس طرح تقسیم وافتراق ختم ہو جاتا ہے اور اتحاد و توازن پیدا ہوتا ہے۔ یہی منتہائے مقصود اور منزل مقصود ہے جو قدرت نے انسانیت کیلئے مقرر کی ہے۔ اسی لئے اسلام توحید کا قائل اور علم بردار ہے، یعنی بہت سے خداؤں کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کا، کثرت کی بجائے وحدت کا۔ اس لئے یہ بات حیرت انگیز نہیں بشرطیکہ آدمی مذہب، ذات، نسل، رنگ اور جنس کے اختلافات ختم کر دے اور سب کے لئے مرد و عورت کے لئے، غریب خواہ امیر کے لئے 'برہمن خواہ شودر کے لئے۔ نواب خواہ عام آدمی کے لئے 'علم کی تحصیل لازمی قرار دے اور اس بات کی تاکید کرے کہ آئندہ کوئی بھی غلام اور بندہ نہیں ہو گا، کوئی بھی شودر یا برہمن نہ ہو گا، کوئی سردار نہیں ہو گا، اور آئندہ ہر شخص دوسرے کو فقط اسی عالمی قانون اور بین الاقوامی معیار کے مطابق جانچے اور پرکھے گا اور معاملہ کرے گا، جس کے مطابق خود چاہتا ہے کہ دوسرے اسے جانچیں اور پرکھیں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کا یہ موقع ہے اور نہ وقت۔ یہاں ہم مسلمانوں کو یہ انتباہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی طرح ان کا بھی یہ کہنا بالکل جہالت کی بات ہے کہ گذشتہ مذاہب بیکار تھے، اور وہ اپنے اپنے زمانے میں حق وصداقت کے حامی اور علمبردار نہ تھے۔ ایک مسلمان کو اس طرح ہرگز نہیں کہنا چاہئے دوسری صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ تمام انبیائے کرام اور ساری آسمانی کتب نے اپنے اپنے زمانے میں جو بھی تعلیم دی ہے وہ سچی تھی۔ غلطی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس بات پر اصرار کیا جائے کہ میں اپنے باپ دادا کے نقش قدم سے ایک انچ بھی نہیں ہٹوں گا، اس کا مطلب ترقی، ارتقا، بلکہ خود زندگی کا انکار کرنا ہے۔ اپنے ایام حمل، اپنے وجود میں آنے اور اپنی زندگی کے پہلے سال

کے بعد کی نشو نما پر غور و فکر کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ اس وقت گوشت نہیں کھا سکتے تھے، جب آپ کے دانت نہیں تھے اور آپ کی زندگی کے چوتھے سال کی ضرورتیں چوبیس سال کی ضرورتوں اور احتیاجات سے مختلف ہیں"۔(4)

قرآن مجید نے مرد خواہ عورتوں کے مشاہدہ کے لئے جو سیکڑوں مسائل پیش کیے ہیں، اس میں شب و روز کی گردش اور ان کے سارے پہلوؤں کا مشاہدہ بھی شامل ہے، یہاں ہم اس کا فقط ایک پہلو پیش کرنا چاہتے ہیں۔یعنی دن رات کی گردش۔"۔۔۔۔ (5)"۔۔

آج کا انسان خاص طور پر تعلیم یافتہ انسان مادہ پرست ہے۔مذہب کا لفظ ہی اسے طیش دلاتا ہے۔کیا اس الزام میں کوئی صداقت ہے؟اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ لاکھوں انسان ایسے ہیں جو خود کو ملحد کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ایسے ہیں جو اگرچہ اس حد تک نہیں پہنچے مگر پھر بھی دوبتوں کی تو وہ پوجا کرتے ہی ہیں اور پوجا کو جاری رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ دو بت ہیں: جو ان رہنے کے لئے غیر فطری ذرائع اور ہر قیمت پر لذت حاصل کرنے کا جنون۔ان کے سامنے اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔یہ لاکھوں انسان زیادہ تر ان ممالک میں رہتے ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی مذہب پر نازاں ہیں۔یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کے اس قول کو بھلا بیٹھے ہیں کہ: انسان کو اس سے کیا فائدہ کہ وہ ساری دنیا تو حاصل کر لے، مگر اپنی روح کو بھلا بیٹھے۔یہ زندگی گنوادو، تاکہ دوسری زندگی حاصل کر لو اور بہشت کی بادشاہی حاصل کر لو، کہ دیگر تمام اشیاء اس کے ساتھ مہیا ہو جائیں گی۔سب چیزیں چھوڑ دو اور میری پیروی کر لو"۔۔۔۔۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ اقوال کو زندگی کے اصولوں کے طور پر اپنانے کی بجائے اس پر ہنستے ہیں۔اس کا سبب کیا ہے؟جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں" حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ صدیاں بعد تک پادری تعلیم کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔جدید ادارے تعلیم کے طریقے او رمضامین تمام مسلمانوں سے نقل شدہ ہیں۔البتہ وہ چیز جسے نظر انداز کیا گیا وہ ہے تعلیم کا مقصد۔"۔۔۔۔

اسلام نے سب کے لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے اور اس کا مقصد جو کچھ تھا وہ تھا۔مگر ایک مقصد پرانا مقصد بھی تھا یعنی اناج اور سلامتی حاصل کرنا۔دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ بھوک اور خوف کا مقابلہ کرنا۔اسلام تعلیم لایا، مگر نہ اسے ختم کرنے کا حکم دیا اور نہ وہ اس کی تحصیل کو عیب سمجھتا ہے بلکہ انہیں اعلیٰ درجے پر پہنچاتا ہے اس نے ان کو دشمن نہیں سمجھا بلکہ ان کو ارتقا کی پسندیدہ راہ میں زیادہ خوبصورت مقامات حاصل کرنے کا محرک سمجھا۔"(6)

یورپی اقوام نے علم اختیار کیا، لیکن ان کا مقصد زمین میں قوت حاصل کرنا تھا۔ کیونکہ ان کا گمان تھا کہ مسلمانوں نے بھی اسی ذریعے سے دنیا کا اقتدار اور طاقت حاصل کی ہے، دولت نے ان کے اندر مزید لالچ پیدا کی، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اسپین صرف ایک صدی میں یورپی ممالک کی دولت مشترکہ سے بھی زیادہ دولت کا مالک بن گیا ہے۔" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "یہ قرآن ہی ہے جس نے کہا ہے کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ طلب کرے گا۔ اگر وہ گرمی حاصل کرنے لئے آگ طلب کریگا تو اسے وہ ملے گا۔ اگر وہ بن دیکھے کو دیکھنے کی خاطر روشنی تلاش کرے گا تو اسے وہ بھی ملے گی۔ مگر آپ جو بھی مانگیں گے، اس سے زیادہ نہیں ملے۔ دوسری چیز جس نے مذہب کو نقصان پہنچایا وہ تھی چرچ، پوپ اور دیگر پادریوں کی روش۔ جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو غلط رنگ میں پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جن لوگوں نے اپنی طرز معاشرے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، صرف انہوں نے ہی قرآن کی لائی ہوئی ہدایات کو قبول کیا اور وہ بھی زیادہ تر بالواسطہ طریقوں کے ذریعے۔ کلیسا نے تعلیم اور لکھنے پڑھنے کی مخالفت کی۔ جب یہ معاملہ کلیسا کے سامنے پیش ہوا۔ تب اس نے ارسطو کے ساتھ اتفاق رائے کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ غلامی ایک ضروری اور قدرتی چیز ہے۔ یورپ میں غلاموں نے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کلیسا نے زمینداروں کا ساتھ دے کر پوری طاقت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ دیگر الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جو بھی ترقی پسند انہ بات اور نظریہ تھا کلیسا کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی اس وجہ سے عوام الناس کا اشتعال دن بدن بڑھتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لفظ مذہب کے خلاف زبردست نفرت پیدا ہوئی۔ " (7)

جب سے علم ادب کا لفظ عربوں نے پیدا کیا، اہل یورب نے اسی معنی کیلئے اپنے لئے ELEGANT LITERATURE یا Political Literature یا BEES LETTERS وضع کیا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ علم تحریر جس سے ادب لطائف طبع وزیب و زینت مترشح ہو یا اس کے حصول میں مدد ملے۔ یہ عربوں کا کام تھا کہ وہ اہل یورپ کو سکھائیں کہ تادیب کی نشانی یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں لطف، لطائف، زینت ونزاکت پیدا ہو۔ اس کی ایک تاریخی مثال آپ کے ہاں موجود ہے۔ ڈیوک آف چیسٹر فیلڈ سے اس کے بیٹے نے جو پیرس میں زیر تعلیم تھا پوچھا کہ میں خاص طور پر کیا سیکھوں ؟ اس نے جواب دیا کہ Graces, Graces, Learn graces تین مرتبہ ایک ہی لفظ کو دہرایا اور یہ عربوں کے طریقے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لفظ سیکھنا جامع ہے جس سے پورے علم ادب کی معنی پیدا ہوتی ہے۔ گذشتہ سال جب مجھے دادو کی ادبی سوسائٹی کی صدارت کا موقع ملا تو میں نے ادب کا اشتقاق بتایا تھا کہ یہ لفظ دب سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں رینگنا اور پیٹ کے بل پر چلنا۔ گھٹنوں کے بل چلنے والے بچے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن

مجید میں یہ لفظ بہت معنی خیز مطلب کے لئے آیا ہے۔ثم سواک رجلا(پھر تجھے آدمی کی صورت میں برابر کیا)حیوان جو پاؤں پر چلے اسے سیدھا کر کے کھڑا کرنا تا کہ اس کی نظر آسمان تک پہنچے۔ نیز انسان کو حیوان سے آدمی بنانا،اس معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہو سکتا ہے ۔اردو میں اس کا مطلب ہو گا آڑی ترچھی اور ناہموار لکڑی کو آرہ مشین سے ہموار کر کے بنانا۔ چنانچہ پہلے اساتذہ مقرر کیے جاتے تھے تا کہ بچہ جب سات آٹھ برس کا ہو تو اس کی تادیب شروع کی جائے۔بغیر تادیب کے تعلیم بیکار ہے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے حافظ کا یہ شعر مجھے یاد آرہا ہے :

حافظا!علم وادب ورز کہ در مجلس شاہ

ہر کہ رانیست ادب،لائق صحبت نہ بود

اے حافظ !علم وادب سیکھ کہ بادشاہ کی مجلس میں ہر وہ شخص جسے علم وادب نہیں ہے،اس کی صحبت کے لائق نہیں نیز علامہ اقبال کے یہ اشعار بھی یاد کرنے کے قابل ہیں یقین جانئے کہ اظہار خیال ہی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے انسان صحیح معنی میں انسان کہلاتا ہے۔اس خوبی کے بغیر انسان بہروں اور گونگوں کی مانند ایک جنگلی حیوان سے بھی بدتر ہے۔جو قوم کوئی معیاری کتاب تخلیق نہیں کر سکتی تو ایسی قوم دراصل اندھوں اور گونگوں بہروں کی قوم ہے۔وہ جو قدرت کے روشن مناظر کو دیکھ کر لطف اندوز نہیں ہو سکتے،وہ اندھوں کی مانند ہیں۔اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایسی قوم ایسے حیوانوں کی قوم ہے جن کو بینائی حاصل نہیں۔ جن کے کان کٹے ہوئے ہیں جن کی زبان قطع شدہ ہے اور کسی چیز کا احساس نہیں رکھتے اور اپنے خیالات کا صحیح القابات و خطابات سے قوم کی صحت پر کوئی اثر و فرق واقع نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ انسانیت کے درجے سے بہت دور ہیں۔ان کے دماغ کھوکھلے ہیں جن میں پختگی نہیں آئی۔ان کے ذہن کچے اور بچکانہ سطح سے زیادہ بلند نہیں۔وہ بد صورت حیوان دماغی لحاظ سے مفلوج اور مردار ہیں۔ شیکسپیئر ہیلیٹ میں لکھتا ہے ۔شہنشاہ قیصر مرکھپ کر پیوند خاک ہو چکا ہے۔وہ خاک اور مٹی جو صرف کسی سوراخ کو بند کرنے کا کام آسکتی ہے،تا کہ اس کے اندر ہوا داخل نہ ہو سکے۔کاش !زمین کے ان سپوتوں کی مٹی،جن کا دنیا میں دبدبہ تھا،اتنی کارآمد ہوتی کہ اس سے اس دیوار کی تعمیر ہو سکتی جو موسم سردی سے حفاظت کا کام دے سکے۔ "(8)

مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آج میں آپ کے درمیان ہوں' بالخصوص اس وجہ سے بھی خوش ہوں کہ میں ان سند یافتہ نوجوانوں کو خطاب کر رہا ہوں جو تعلیمی اداروں سے بڑی سے بڑی سند حاصل کر رہے ہیں۔ میں اس موقع پر آپ کو قومی نظام میں ایک امتیازی جگہ حاصل کرنے پر بڑی خلوص کے ساتھ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ علم کی ان گہرائیوں تک پہنچے ہیں جہاں آپ کار آمد اور

اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ آج کے اس دن کے بعد دراصل آپ کی عملی اور حقیقی زندگی شروع ہو رہی ہے۔ آپ یقیناً یونیورسٹی اتھارٹی کی طرف سے اپنے والدین کی طرف سے اپنے دوست و احباب کی طرف سے اور اس ملک کے سارے باشندوں کی طرف سے جن کی خدمت کے لئے آپ سینہ سپر ہو رہے ہیں اور مبارکباد کے مستحق ہیں سب سے پہلے میں آپ کو ایک حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ آپ بہت بڑی غلطی کریں گے اگر آپ سمجھیں گے کہ آج کے بعد آپ نے اپنی تعلیم مکمل کر لی ہے۔ اس قسم کی بھول اور غلطی فرد خواہ قوم کے لئے مہلک اور تباہ کن ہے۔ جس کے لئے تاریخ گواہ ہے اور آپ کا فرض بنتا ہے کہ تاریخ کو پیٹھ پیچھے ڈال دینے کے بجائے اس سے عبرت حاصل کریں۔ تعلیم زندگی کی مسلسل کوشش کا نام ہے۔ وقت کی طرح تعلیم بھی ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ جس طرح وقت کو ہم صرف سہولت کی خاطر دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں مین تقسیم کرتے ہیں، بعینہ تعلیم کو بھی ہم پرائمری، ثانوی ،یونیورسٹی، اور دیگر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔"۔۔۔۔

ہماری زندگی علم کے بحر بے کراں کو حاصل کرنے کے لئے بالکل ناتمام و قلیل ہے اور زندگی کا بہترین حصہ وہی ہے جو علم کو سیکھنے اور سکھانے میں صرف کیا جاتا ہے۔ علم ذات پات اور رنگ وروپ کا کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔ قرآن کریم میں تعلیم کو روشنی اور نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو ہمیں اندھیرے سے نکال کر راہ راست پر لگا دیتی ہے، یونیورسٹی کے سامنے لگے ہوئے مونوگرام پر جو کندہ الفاظ آپ دیکھ رہے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی ترجمانی اور عکس ہے اور الفاظ یہ ہیں:

" طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ " (9) یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے علم حاصل کرنے کو اپنی زندگی کا بنیادی مقصد قرار دیا۔ مسلمان جتنے بڑے عالم تھے اتنے ہی بے غرض اور انسانی عظمت کے علمبردار تھے۔ وہ محنت مشقت کے قائل تھے۔ اور کبھی بھی ہاتھ سے محنت کرنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ محنت کے ساتھ ان کو محبت تھی۔ اور یہ بھی تلقین کی گئی ہے کہ حق وحلال کی روزی کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (10)

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان مبارک کی اس قدر تعمیل کی گئی کہ وقت کے سلاطین ہاتھ سے محنت کر کے اپنا گذر بسر کیا کرتے تھے، مگر آج تو قصہ ہی دیگر ہے!! ہمارے موجودہ معاشرے میں تعلیم کو صرف دولت کمانے اور دنیاوی مناصب کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

اور یوں ہم بلندیوں سے پستیوں کی طرف بڑے دردناک طریقہ سے پھسلتے جا رہے ہیں میں آپ کو ایسی منحوس تبدیلی کے اسباب بتاتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکہ اور یورپ کے لوگوں نے قرآن حکیم کے بہت سے اہم نکات کو اپنا لیا ہے، مگر بہت سے

اوصاف اور خصائل ایسے ہیں جن کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ نہیں دی اور یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنے روایتی اور قدامت پسندانہ رجحانات اور نظریات کو ابھی تک رد نہیں کیا۔ یہ روایتی نظریات وہ ہیں، جو خاص طور پر امیر طبقہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے بڑے گھرانوں کے افراد ابھی تک ہاتھ کی محنت کو عار اور معیوب سمجھتے ہیں اس طرح کے کاموں سے نفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ ان خاندانوں کے افراد نے صرف مندرجہ ذیل پیشوں کو اختیار کرنے کے لئے تعلیم کی تحصیل کی ہے ۔ ا۔فوج ۲۔ دیول ۳۔ قانون دوسرے پیشے جن مین سخت محنت و جفاکشی مطلوب ہے وہ تو درکنار وہ لوگ ڈاکٹری جیسے پیشے کو اپنانے میں بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ یہ بیماری ہمیں ایک نہیں دوسری صورت میں مغرب سے ورثے میں ملی ہے اور ہمارے نوجوان طبقہ پر اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ وہ علم کی تحصیل زندگی کو مزید خوبصورت بنانے کے لئے نہیں کرتے اور نہ ہی زندگی میں خود اعتمادی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ بلکہ اسے صرف بڑی بڑی سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر حاصل کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ بھرنے کا بہترین ذریعہ اگر کوئی ہے تو بس یہی ہے۔ علم حاصل کرنے کے سلسلے میں اس قسم کی غلط سوچ اور غلط روش نے ہماری قوم کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم اپنی غلطی محسوس کریں اور اپنے قدم صحیح سمت میں بڑھائیں کیونکہ یہ خود حکومت وقت کے لئے بھی ایک بڑا چیلنج اور مسئلہ ہے کہ ہر ایک کو تعلیم دلانے کے بعد ان کی ملازمتوں کا مسئلہ بھی حل کرے۔ " (11)

حقیقت یہ ہے کہ قدماء کی نظر میں ادب اور اس کے مفہوم اور مقصد کو بڑی اہمیت حاصل تھی، کیونکہ انہوں نے ادب کو سارے علوم انسانی پر حاوی سمجھا تھا۔ اصولی طور پر ادب کا مفہوم اسی دن واضح ہو چکا تھا، جب لا تقربا هذه الشجرة کا حکم ہوا۔ مگر موجودہ دور میں ادب کے سارے راستے اس قدر مٹ چکے اور مسخ ہو چکے ہیں کہ لفظ ادب کے معنی بھی اچھی طرح معلوم نہیں ہوتے۔ دادو کانفرنس کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے میں نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ علم ادب کے اضافہ کا دارومدار فکر پر ہے کیونکہ فکر ہی بیان اور مضمون کا سرچشمہ ہے۔ اس حقیقت کو اس مجلس کے سامنے بھی قدرے واضح کرنے کی خاطر آپ حضرات کو ذہن نشین کروانا چاہتا ہوں کہ فکر کا سارا انحصار ذکر پر ہے۔ ذکر کے معنی ہیں یاد داشت کے۔ اس لحاظ سے یاد یا حافظہ ہی زرخیز زمین ہے۔ جس میں فکر کا بیج اگتا اور پروان چڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے یونانیوں نے حافظہ کی دیوی نیموسن کو نو بیٹیوں کی ماں قرار دیا۔ جن میں تاریخ، غنائی شعر، عشقیہ شاعری اور علم نجوم چاروں شامل ہیں۔ تخیل کا دارومدار یاد داشت اور حافظہ پر ہے۔ یہ بذات خود ایک اہم نفسیاتی مسئلہ ہے جس کی تشریح کے لئے آج کے خطبہ میں گنجائش نہیں۔ درحقیقت کانفرنس کی عام نشستوں میں اپنے نفسیاتی نکات، فلسفیانہ یا دقیق ادبی مباحث

کی وضاحت بے سود ہے۔ گذشتہ چھ سات سال کے تجربہ سے میں کم از کم اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے جلسوں اور کانفرنسوں کا حال "نشستند، گفتند و برخواستند" والا ہے۔ ایسی حالت میں دقیق باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا"۔

"علم ادب کے اضافہ کے لئے علم و ادب کی تحصیل لازمی ہے۔ کیونکہ تربیت، تعلیم اور تادیب کے بغیر ادب کے منزل مقصود تک پہنچنا محال ہے۔ ذکر ہی وہ زرخیز زمین ہے جہاں شعر و فکر کے بیج اگ آتے ہیں۔ کیونکہ ذکر کے معنی ہیں یاد داشت یا حافظہ کے اور اسی میں تخلیق اور تخیل کا راز مضمر ہے۔ یہ حقیقت نہ صرف فرد سے لاگو ہے بلکہ جماعت سماج قوم ملک بلکہ پوری انسانیت پر حقیقت صادق آتی ہے۔ فرد واحد کے حافظہ کا احصار اس کی اپنی یاد داشت پر ہے۔ مگر قوم کے حافظہ کو "علم تاریخ" کہا جاتا ہے۔ علم تاریخ کو زندہ رکھنا گویا قوم کے حافظہ کو زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ "(12)

کھتریوں کے دور میں بادشاہوں کے عجیب جنگی نام ہوتے تھے۔ انجیل جسے عیسائی مانتے ہیں۔ اس میں بھی بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کا مسح کرنے والا کہا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخت پر فائز ہوتا ہے۔ اسکے چھونے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ بادشاہ کون ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور کس طرح زندگی گذارتا ہے چاہے وہ بچہ ہو یا بوڑھا لیکن وہ جب تک بادشاہ ہے وہ ظل اللہ اور شہنشاہ ہے وہ سب کچھ ہے۔

اسے سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا۔ اور وہ اللہ کا مسح کرنے والا (Anointed of the lord) ہے۔ وہ سارے انسانوں سے بلند ہے۔ اور یہاں تک کہ نظام الملک اپنی تصنیف "سیاست نامہ" میں لکھتا ہے کہ ان کے دور میں جب کوئی شخص بادشاہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو نماز کر دیعنی سجدہ کرتا ہے یہ نظام الملک کے دور کی بات ہے۔ جب کہ نماز کا لفظ ہم عبادت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی بادشاہت کا ایک رخ ہے اور بادشاہ کے نوکر ہوتے تھے، جو عوام پر حکمرانی کرتے تھے۔ ان دنوں عام لوگوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔"۔۔۔۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے پوری دنیا میں انسان کو خدا سمجھ کر پوجا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستاروں اور پتھروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ درختوں اور جانوروں کی بھی پوجا ہوتی تھی اور ایک مخصوص دور میں مصر میں دریائے نیل میں موجود مگر مچھوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی اس لئے کہ جانور انسانوں پر حملہ آور ہوتا تھا، جس کی وجہ سے اسے بڑا خدا تصور کیا جاتا تھا۔ مچھلیوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی۔ مصر میں دیو کتھا میں اب تک مخصوص جانوروں کے سر موجود ہیں، جن کی عبادت کی جاتی تھی، جب تاروں پتھروں، درختوں اور جانوروں کی پوجا کی جاتی تھی، پھر اگر انسان کی عبادت کی جائے تو اس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ انسان کی بادشاہ

کے روپ میں بھی پوجا کی جاتی تھی،اس کے بعد ایک ہستی آئی،اس نے کہا کہ یہ انسان کے لئے زیبا نہیں۔عبادت کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔اس ہستی نے کہا کہ میں تمہاری طرح ایک فرد ہوں،میں تمہاری صحیح تعلیم وتربیت کے لئے آیا ہوں،یہ ہستی حضور ﷺ کی تھی۔جنہوں نے فرمایاانا بشر مثلکم میں تمہاری طرح انسان ہوں،اس سے زیادہ کچھ نہیں۔انسان سب ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔تم میں کوئی شخص بھی رنگ، نسل اور قومیت کی وجہ سے افضل نہیں ہو سکتا۔سب برابر ہیں۔سب کی تخلیق ایک انسان سے ہوئی ہے۔حضور ﷺ نے حالات میں اتنی تبدیلی پیدا کی کہ پوجا کا لفظ ختم ہوگیا۔اس کی جگہ عبادت کا لفظ مروج ہوا۔جس کی معنی میں خدمت سرانجام دیناشامل ہے۔انگریزوں جرمنوں اور فرانسیسیوں نے کلیساؤں میں پوجا کے بجائے خدمت سروس لفظ کا استعمال کرنا شروع کیا،تم منشور میں دیکھو گے اس میں لکھا ہو گا کہ فلاں وقت پر چرچ میں سروس ادا کی جائے گی۔پوجا کا لفظ عبادت میں تبدیل ہو گیا اور اس عظیم انسان ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔تیرھویں صدی کے آخر میں میں نے ایک انگریز سے اسلامی اقدار کے معیار کے بارے میں سنا۔ایک انگریز نے کہا کہ مسلمان کی حیثیت بندوں کی ہے جب کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔میں نے انہیں کہا کہ ظاہر ہے تم اچانک پیدا ہو گئے ہو۔لیکن تیرہ سو سال تک اس بات کو حقیر سمجھا گیا کہ اپنے آپ کو بندہ سمجھا جائے۔تم بندے ہو اور بڑے مقصد کی خاطر پیدا کئے گئے ہو۔پھر تمہیں مر جانا ہے۔"۔۔۔۔

"لندن کے باسی اہل دیہات کو (Yake) کہتے ہیں کیونکہ شہر میں داخل ہوتے وقت انہیں ہر چیز اجنبی محسوس ہوتی ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ ساری دنیا جنگلی بیلوں اور لندن کے باسیوں سے بھری ہوئی ہے۔اب دنیا شعبہ جاتی علوم میں تقسیم ہو گئی ہے اور اتنے شعبے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا اور ہر ایک شعبہ دوسرے شعبے۔اور طرز فکر سے مختلف ہے۔انجنیئر کی سوچ یہ ہے کہ کائنات ایک مشین کی طرح ہے،جو دو پیچوں اور چرخیوں (Pullies and Screws)سے آسانی سے منظم کی جاسکتی ہے،اسی طرح ڈاکٹر کہتا ہے ،دنیا کا سارا راز گلینڈ اور ہارمونس(Glands

and Harmones)میں پوشیدہ ہے،اقتصادیات کے ماہر کو اہم حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔وہ کہتا ہے کہ دوسرے علوم و فنون غیر اہم ہیں،اصل مسئلہ معاشیات کا ہے اور روٹی کی تقسیم ہی انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔گذشتہ نصف صدی کے اقتصادی ماہرین صرف روٹی کی تقسیم کے مسئلہ پر توجہ صرف کر رہے ہیں،وہ پیداوار کے بارے میں نہیں سوچتے،ان کا کہنا ہے کہ پیداوار کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے،جتنا تقسیم کا مسئلہ ہے۔تقسیم کی بہتر صورت کیا ہو،غیر منصفانہ تقسیم کے مسئلہ نے ماہرین کو پریشان کر دیا ہے۔باقی دنیا میں کھانے پینے کی اشیا کی کمی نہیں ہے۔ان کی نظر میں اصل مسئلہ وسائل کی بہتر اور مناسب تقسیم ہے۔ماہرین اپنے اپنے شعبے کی با

ت کر رہے ہیں لیکن انسان کے بنیادی مسئلے یعنی اس کی تخلیق، مقصد زندگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں سوچ اور فکر ختم ہو گئی ہے، ساری معلومات شعبوں تک محدود ہو گئی ہ۔ (13)

آجکل کہا جارہا ہے کہ مذہب سائنس کے خلاف ہے، معلوم نہیں وہ کون سا مذہب ہے جو سائنس کے خلاف ہے لیکن ہمارا مذہب سائنس ہے، میں نے کئی بار کہا ہے کہ لیبارٹری مسلمانوں کے لئے عبادت کا درجہ رکھتی ہے، لیبارٹری میں عبادت بھی ہو سکتی ہے ،میں نے آپ کے سامنے ثبوت بھی پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ غور و فکر سے کام لو، مشاہدہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی کائنات اور فطرت کا مشاہدہ کرو۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ سچ اور حقیقت تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر یہی طریقہ ہے سنریہم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتی تبیّن لہم انّہ الحق۔۔(سورۃ حٰم سجدہ۔53/41) "عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق و انفس یعنی کائنات میں اور ان کے اپنے نفسوں میں یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہو جائے گا"۔ میں پچھلے کئی سال سے یہ بات واضح کر رہا ہوں کہ دوسرے مذہبوں میں عبادت کے لئے ایک مخصوص جگہ ہے، لیکن یہاں ہمیں دوسروں سے بالکل جداگانہ مشورہ دیا جارہا ہے کہ لیبارٹری میں مشاہدہ و مطالعہ کرنا بھی عبادت ہے افلا تبصرون۔ تم کیوں نہیں دیکھتے ہو! یہاں تم فزکس کی ڈگری حاصل کرتے ہو تاکہ پیسے کماؤ، یہ بڑے شرم کی بات ہے، دوسرے لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب سائنس کے خلاف ہے۔ لیکن ہمارا مذہب تو سراپا غور و فکر اور مشاہدہ و مطالعہ کا مذہب ہے۔ جب ہم علم طبعی کا مطالعہ کرتے ہیں یا علم فلکیات کا یا سائنس کا، تو گویا ہم قرآنی تعلیمات پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔فی الارض آیٰۃ للمؤمنین و فیٓ انفسہم میں چالیس سالوں سے قرآن کی یہ آیت سنا رہا ہوں، مجھے کہا جاتا ہے کہ میں عقل سے کورا ہوں اور نئے دور میں مذہب کی بات کرتا ہوں۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے عقل کا جائزہ لینا چاہئے۔ تم جو بات کہہ رہے ہو، وہ غور و فکر کے بغیر ہے۔ جب کہ میں طویل غور و فکر کے بعد کہتا ہوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور وہ عقل کے تقاضوں سے عین مطابقت رکھتا ہے۔ "(14)

اس سے میرا مقصود یہ ہر گز نہیں ہے کہ انسانی محنت کے استحصال کو حق بجانب قرار دیا جائے، چونکہ کتاب کی اہمیت ساری دنیا کی دولت سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ امّی تھے اور امیوں سے ہی ظاہر ہوئے۔بعث فی الامیّین رسول منھم آپ ﷺ لوگوں کو خوراک اور دولت دینے کے لئے نہیں آئے تھے یہی پیغام ہے جو مسلمانوں نے حضور ﷺ سے حاصل کیا۔ اسلئے مسلمانوں کے لئے اعزاز کے لائق تحفہ کتاب ہی تھا۔ چنانچہ دنیا بھر کی کتابیں ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ اس وقت جب دنیا میں کہیں بھی کتاب مہیا نہیں تھی۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ اس وقت کے یورپ کے پاس مطالعہ کے لئے پانچ کتابیں بھی موجود نہیں تھیں یہاں تک کہ

انجیل بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ انجیل یونانی اور عبرانی زبان میں تحریر تھی۔ جسے جاننے اور سمجھنے والے موجود نہیں تھے، وہ کتاب کے نام سے بھی آشنا نہیں تھے۔ تاریخ کے پوسٹ گریجویٹ افراد جانتے ہیں کہ رچرڈ کو اپنا نام لکھنا نہیں آتا تھا۔ انگریزوں کے اکثر بادشاہ دستخط نہیں جانتے تھے۔ اس وقت تعلیم اور کتاب کے بارے میں یہ عام صورتحال تھی۔ "(15)

مسلمان جنہوں نے حقیقی مقصد کے لئے مشاہدات کا آغاز کیا، ان میں یہ شوق کس طرح پیدا ہوا؟ اہل یورپ کو یہ بات معلوم تھی میں نے ایک بڑے یورپی مصنف کی تصنیف دیکھی ہے وہ کہتا ہے کہ ہم کوئی سائنسی دعویٰ نہیں کرتے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایجادات مسلمانوں نے کیں اور انہوں نے ہی ہمیں ان کی طرف متوجہ کیا۔ اگر ہم کسی سائنس کو اپنا کہہ سکتے تو وہ Botany یعنی نباتات ہے، کیونکہ اس کے بارے میں انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان گل سوسن کو زمین پر دیکھو، وہ سالومن (Soloman) سے زیادہ خوبصورت انداز میں بکھرے پڑے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس بناپر ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم نباتات ہماری سائنس ہے، لیکن دوسری سائنس کے بارے میں مسلمانوں میں اشیاء کی تحقیقات صرف فطرت کے مشاہدے کے تحت نہیں ہوئی، بلکہ ایک مذہبی حکم کے طور پر ہوئی۔ قرآن مجید میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے نام سے سورتیں نازل ہوئی ہیں، مثلاً النحل (شہد کی مکھی) العنکبوت (مکڑی) النمل (چیونٹی) وغیرہ۔ ان سورتوں میں کائنات کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں مشاہدات کی تعلیم دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان میں غور و فکر کروگے تو تمہیں اللہ کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ اسی بناپر مسلمانوں نے حقائق کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اس کے لئے سائنسی طریقے اور ذرائع استعمال کیے، نہ صرف اتنا بلکہ انہوں نے تاریخ اور آرکیالوجی کو بھی مذہبی سائنس قرار دیا، مگر اس وقت یہ تحقیقاتی رجحان مسلمانوں سے ختم ہو گیا ہے۔ اور اہل یورپ جن کی بھی طویل تاریخ ہے انہوں نے بھی اس طرح کے مشاہدات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ "(16)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم نے اپنا کندھا کو لہو میں ڈال ہی دیا ہے تو پھر ارد گرد مت دیکھو۔ ہمارے شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب ایک بار تم صحیح راستہ پر چل پڑے ہو تو پھر ادھر ادھر، دائیں بائیں جانب نہ جھانکو، اپنی نگاہوں کو صحیح منزل اور منظر سے نہ ہٹاؤ"۔ شعور اور آگہی کی جو نعمت حاصل ہے، اسے ضایع نہ کریں، برسوں کی محنت سے جو ذہن تیار کیا ہے، معمولی غلطی سے اسے نہ بگاڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی حالت ایسی ہو جائے کہ اگر آپ ارادہ کریں کہ میں کل یہ غلط کام نہیں کروں گا مگر اسی وقت، اگلے ہی لمحے اس کار تکاب کر بیٹھیں۔ بہر حال ایسی حالت میں بھی اگر آپ کے ذہن میں شعور و آگہی کی روشنی موجود ہو تو ذکر اللہ اس کی آبیاری کرے گا اور صحیح راستے پر چلانے میں معاون ثابت ہو گا۔ لیکن آپ کو یہ بھی سوچنا پڑے

گا کہ ضرور کوئی ایسی چیز موجود ہے جو آپ کو غلط کام کرنے پر ابھارتی ہے، جس سے آپ نفرت بھی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیا چیز ہے ؟میں عرض کرتا ہوں کہ یہی خناس ہے جو آپ کو برائی پر آمادہ کرتا ہے اس خناس پر آپ کو کنٹرول کرنا ہے، جسم اور ذہن کی ایک ایک حرکت پر ضابطہ رکھنا ہے۔ اس بات کی کوشش کرنی ہے کہ کوئی ایسا خیال اور وسوسہ وجدان میں آنے نہ پائے، جو آپ کے کنٹرل اور ضابطہ سے باہر ہو۔ خود کو پاک رکھنا چاہتے ہیں تو ناپاک خیالات سے چھٹکارا حاصل کریں، یہی کامیابی کا راز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:قد افلح من تزکیٰ ---الی --صحف ابرہیم و موسٰی۔یعنی بیشک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ یعنی ذکر اللہ کا اہتمام کیا اور عبادت کر کے اپنے دل کو برے خیالات اور خناس سے پاک صاف کیا یہ عارضی زندگی کو عقبیٰ پر ترجیح دیتے ہیں، جبکہ آنے والی زندگی دائمی اور پائیدار ہے۔ "(17)

جب ہمارے ملک میں کوئی سائنسدان آتا ہے تو وہ ہمیں یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ اسے ایک سائنسی مذہب کی تلاش ہے ۔مسز ایلسا قاضی کہتی ہیں کہ سائنسدانوں کی یہ بات ہی غلط ہے۔ سامعین حضرات میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کی تہہ میں ابھی نہیں پہنچے۔ سائنسی مذہب کی بات کرنے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ پوری انسانی تاریخ کو الٹ پلٹ کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ کوئی اچھی بات ہے ؟وہ ہمیں حیاتیاتی مذہب دینا چاہتے ہیں یعنی وہ ہم میں سے ہر ایک کو اچھا حیوان بنانا چاہتے ہیں، جسے وہ سائنسی مذہب کہتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ خرابی کی اصل جڑ یہی ہے ۔کیونکہ انسان کی بنیادی ضرورت صرف حیاتیاتی یعنی جسمانی غذا نہیں بلکہ ذہنی (روحانی(غذا بھی اتنی ہی اہم ہے جو اسے اچھا انسان بنا سکتی ہے ۔یہ سائنسدان حضرات صرف حیاتیات پر ہی کیوں زور دیتے ہیں ؟اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے تیرہ سو سال کی تاریخ فراموش کر دی ہے۔ یا انہوں نے تاریخ نہیں پڑھی اور اگر پڑھی ہے تو غلط پڑھی ہے۔ مجھے جیولن مکسلے کے بارے میں یہ الفاظ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنے پڑتے ہیں کہ شاید انہوں نے تاریخ نہیں پڑھی اور اگر پڑھی ہے تو غلط پڑھی ہے۔ اگر آلڈس مکسلے کے مقابلہ میں جیولن مکسلے کی میرے دل میں زیادہ عزت و احترام ہے۔ کیونکہ وہ بڑا سائنسدان ہے۔ اگر یہ عظیم سائنسدان تاریخ کو صحیح تناظر میں پڑھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ حیاتیات اسلام کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ہمیں بایالوجی (حیاتیات (کا صحیح تصور دیا ہے۔ میں ابھی تک اس آیت کریمہ میں مضمر حقیقتوں کا ادراک نہ کر سکا۔ جو ہمیں آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کے ذریعے معلوم ہوئی تھی کہ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔(18) کیا آپ کو مذہب کا احساس ہے، آپ کو مذہب کے بارے میں معلومات نہیں کہ وہ ہماری کس طرف رہنمائی کرتا ہے ؟یہ رہنمائی دو طریقوں سے حاصل کی جا سکتی ہے : اولاً تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین اور آسمان کو اپنی

تحقیق کی جولان گاہ بنا کر۔ ثانیاً انسانی زندگی پر غور و فکر کر کے اس سے نشانیاں نظر آجائیں گی جو صحیح سمت میں سفر حیات طے کرنے میں مدد و معاون ہوں گی۔ یہ تعلیم ہمیں چودہ صدیاں پہلے دی گئی تھی۔ اس فرمان خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے مسٹر ہکسلے نے کائنات اور انسانی نفسیات کے مطالعے کی طرف توجہ دی، حالانکہ وہ اپنے ملک کی تاریخ سے بھی واقف نہیں۔ لیکن مسٹر ہکسلے کہتا ہے کہ چونکہ قرآن پہلا حکم یہ دیتا ہے کہ وفی الآفاق یعنی پہلے آفاق و کائنات میں تلاش کرو اور پھر فرماتا ہے کہ وفی انفسھم انسانی پیدائش میں غور کرو۔ اس وجہ سے پہلے کائنات، چاند ستاروں اور سیاروں، حیوانات و نباتات کے بارے میں تحقیقات کرنی چاہئے اور اس کے بعد تخلیق انسانی کے مضمرات پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ عقلمندوں اور سائنسدانوں کا کام ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں آیات لاولی الالباب ،اس میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہی وہ مذہب ہے جس نے انسان کو پڑھنے لکھنے کی طرف مائل کیا۔ آج ہم اسی معلومات کو سائنسی علوم کہتے ہیں۔ لیکن افسوس! صد افسوس! مسلمانوں نے جو علمی کام شروع کیا تھا۔ اسے انہوں نے یکسر بھلا دیا ہے۔ "(19)

علامہ کے فکر کے امتیازی پہلوؤں کو اگر ایک نظر میں پیش کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ:

۱۔ اس فکر میں مشرق و مغرب کے اہم اور قابل ذکر فلاسفروں کے فکر کی آہنگ موجود ہے۔

۲۔ اس فکر میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا مطالعہ تجزیہ اور ان مذاہب میں موجود وحدت کے حامل بنیادی مشترک نکات کی نشاندہی اور وقت اور زمانے کے انقلابات کی وجہ سے مذہب کی تعلیمات میں تغیر و تبدل کی نوعیت و تفصیل۔

۳۔ مذاہب کے بارے میں ارتقائی نقطہ نگاہ کا اظہار جس کے تحت مذاہب اپنے اپنے دور میں خدا کی طرف سے رہنمائی پر مشتمل تھے، اگرچہ ان کے اعتقادات کا نظام ایک ہی تھا اور بنیادی تعلیمات میں بھی یکسانیت موجود تھی۔ لیکن حالات اور زمانہ کی وجہ سے مذاہب کی شریعتوں اور قوانین میں جزوی اختلاف موجود تھا۔ اسلام ان سارے مذاہب کی آخری ارتقائی صورت ہے۔ اس لئے اسلام کے ذریعے مذاہب کی آخری تکمیل کا انتظام اس وقت ہوا جب انسانیت ذہانت، رسل و رسائل فکر و نظر اور علوم کے اعتبار سے بالغ ہو چکی تھی۔ اب اسے دینی رہنمائی کے لئے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بنیادی معاملات میں ایک ہی بار وحی کے ذریعہ رہنمائی کر کے اور اصول متعین کر کے وقتی معاملات میں غور و فکر اور اجتہاد کے ذریعے راہیں نکالنے کی صورت پیدا کی گئی۔ اس طرح ختم نبوت کے ذریعے ایک طرف تو پچھلے سارے انبیاء کی تعلیمات کو محفوظ کر دیا گیا اور انبیاء پر ایمان اور ان کی تصدیق اسلامی اعتقادات کا حصہ بنادی گئی۔ دوسری طرف انسانی عقل پر بے پناہ اعتماد کر کے وقتی مسائل میں رہنمائی کے لئے نصوص کی روشنی میں اسے ذمہ دار قرار دیا گیا۔

۴۔ اس فکر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے ذہین انسانوں کے سامنے اسلام کے پیغام کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اگر فطرت انسانی مسخ نہیں ہوئی' اس کے کچھ بھی اجزاء موجود ہیں تو افراد یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اسلام میں انسان کے انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے جو رہنمائی موجود ہے ،وہ توازن اعتدال، حسن معنویت اور کاملات کے جواہر سے مزین ہے اور اس رہنمائی تعلیمات کا کوئی جزو بھی عقل فطرت انسانی اور حسن حقیقی سے متصادم نہیں۔

۵ ۔ حضور انور ﷺ کی اطاعت وفاداری اور غلامی پر زور۔ انسانیت کو جو کچھ مل سکتا ہے وہ آپ ﷺ کی اطاعت محبت اور آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی مل سکتا ہے۔ دوسری صورت میں انسانیت انتشار فساد نفس پرستی تصادم اور جنگ و جدل اور ظاہری روشنی کے باوجود معنوی تاریکی اور اس کے اثرات بد سے بچ کر امن وسکون کی دولت عظمی سے ہمکنار ہو سکے ،یہ ناممکن ہے ۔ آپ ﷺ کی غلامی پر نئے نئے نظریات اور ترقی کے ہزاروں نئے پروگرام قربان کئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی فکر ،تعلیمات اور پروگرام کی موجودگی میں انسانی نظریات اور ترقی کے پروگرام دراصل سراب ہیں۔ ان سے انسانیت حقیقی فلاح اور کامیابی سے ہرگز متمتع نہیں ہو سکتی۔

۶۔ قرآن سے تعلق قائم کرنے اور اس کے مطالعہ پر زور۔ اس لئے کہ سارے علوم کا منبع ومرکز اللہ کی کتاب ہے۔ یہ آفاق و انفس پر غور فکر کی دعوت دیتی ہے۔ جس میں کائنات کے سارے علوم آجاتے ہیں۔ قرآن سے حقیقی تعلق کے نتیجے میں دین و دنیا کی ساری سعادتیں اور کامیابی از خود حاصل ہو جاتی ہیں۔ مغربی قوموں نے قرآن کی تعلیمات کے صرف ایک جزو آفاق میں غور و فکر و تلاش و تحقیق کو اختیار کیا تو اس کے نتیجہ میں انہیں مادی طور پر ترقی حاصل ہوئی۔ قرآن جیسی علوم و حکمت سے بھرپور کتاب کی موجودگی میں مسلمانوں کا اِدھر اُدھر بھٹکنا، افلاس 'ذلت' محتاجی اور دوسروں کی غلامی اختیار کرنا یہ قرآن سے دوری کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسلوں کو غیروں کے نظریات سے متاثر ہو کر ان سے مرعوب ہونے کے بجائے قرآن سے حقیقی تعلق قائم کرنا چاہئے اس سے انہیں ہر طرح کی شفاء خاص ہو گی۔ اس سے انسانیت کے لئے ان کا وجود خود روشنی کا مینار بن جائے گا۔

۷۔ مسلمانوں کے وہ باطنی علوم جو اخلاق حمیدہ اور تصوف سلوک اور طریقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان باطنی علوم کے نتیجے میں اعلی درجہ کی روحانیت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے زندگی میں لطافت اور حسن آجاتا ہے اور افراد کے لئے انسانوں سے محبت فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں مادی ترقی کے غلبہ اور ظاہری علوم و نظریات کے غلغلہ نے مسلمانوں کے ذہین طبقات کو ذہنی اور طبعی طور پر تصوف و طریقت اور روحانیت سے دور کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اب ضروری ہو گیا ہے کہ تصوف کی ریاضتوں اور

مجاہدوں کے بجائے قرآنی تعلیم کے ذریعے اصلاح ذات کا عمل شروع کیا جائے۔یعنی اب ذکر و فکر کی محفلوں اور اہل اللہ کی صحبت پر زور دینے کے بجائے قرآنی تعلیمات ہی کو اصلاح ذات کے لئے بنیاد بنایا جائے۔اگر مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقات قرآن سے قریب ہوئے تو پھر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اخلاق میں پاکیزگی اور اپنے مزاج میں لطافت پیدا کرنے کے لئے تصوف سے بھی رجوع کر سکتے ہیں۔

۸۔ قوموں کے اجتماعی اعمال کے نتائج اور قانون مکافات پر زور۔ قوموں اور گروہوں کی ترقی کا دارومدار ان کی اجتماعی جدوجہد اور منصوبہ بندی پر ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کے سلسلے میں یہ قدرت کے ایسے اٹل قوانین ہیں جو انسانی تاریخ میں ساری قوموں پر لاگو رہے ہیں۔البتہ پاکیزہ اخلاقی نصب العین میں وہ قوت موجود ہے کہ اس کی حامل قوموں کے ساتھ قدرت کا قانون مکافات ساتھ دیتا ہے اور ان مادی طاقت کی کمی کو اخلاقی نصب العین کے ساتھ ان کی محبت کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے۔غرض یہ کہ قدرت کا قانون مکافات جزاوسزا کا قانون محض آخرت کے لئے ہی نہیں یہ قانون اس دنیامیں بھی لاگو ہوتا ہے۔

مذہب کے بارے میں علامہ کے فکر کا خلاصہ:

علامہ کے فکر کا ماحاصل سندھ کی ایک فاضل شخصیت عبدالغفار سومرو صاحب نے بھی پیش کیا ہے۔موصوف نے علامہ کی تحریروں و تقریروں کے ایک انگریزی مجموعہ کا سندھی ترجمہ صوفی لاکوفی کے نام سے کیا ہے اپنے تفصیلی مقدمہ میں موصوف نے اس فکر کا خلاصہ پیش کیا ہے۔چونکہ موصوف کا یہ ماحاصل کافی معلوماتی واور فکر انگیز ہے۔اس لئے ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:۔

ا۔ دنیامیں دین یامذہب شروع سے ایک ہی رہا ہے جس نے انسانیت کی ترقی کی مناسبت سے ارتقاء کیا ہے۔دنیاکے اکثر مذاہب اپنے دور اور اپنے سماج کی مخصوص ضروریات کے تحت وجود میں آئے ہیں۔کسی بھی مذہب کی صداقت سے انکار ممکن نہیں، چنانچہ ان مذاہب کے بانیوں کی تکذیب ہر گز نہیں کی جاسکتی۔اس صورت میں سارے مذاہب کا نقطہ ء عروج آخری تکمیلی صورت کا وجود میں آنالازمی امر تھا۔ایک ایسامذہب جس میں زیادہ سے زیادہ آفاقیت اور عمومیت ہو اور جس میں مذہبی رسموں کو ثانوی اہمیت ہو، اصل اہمیت عقائد اور انسان کی نیت اور اس کے ارادے کو حاصل ہو' وہی مذہب بہتر طور پر اور صحیح طور پر انسان کی فکری ضروریات کی تکمیل کر سکتا ہے۔

۲۔ ایسا مذہب جو انسان کے باطنی یا داخلی ضرورتوں کا انتظام کر سکے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انسان کے ظاہری یا خارجی تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کرے اس لئے کائنات کے شعوری مشاہدے اور مطالعہ کو اہمیت دی گئی بلکہ اس بات پر زیادہ زور دیا گیا۔ اس طرح جدید تجرباتی سائنس کی بنیادیں فراہم کی گئیں تا کہ انسان اپنی خارجی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بہم کر سکے۔

۳۔ انسانی تاریخ میں اس طرح کا صرف ایک ہی ترقی پسند اور انقلابی مذہب نظر آتا ہے۔ جس نے انسان کو محض انسان ہونے کی حیثیت سے اس کائنات میں بڑی اور محترم ہستی قرار دیا، جس نے علم کو مرد اور عورت کے لئے فرض قرار دیا اور جس نے حصول علم کے لئے مکان اور قومیت کی حد بندیوں کو غیر ضروری تصور کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ علم کے حصول کے لئے اگر چین کا سفر اختیار کرنا پڑے تو ایسا کرنے سے بھی گریز نہ کرو۔ موجودہ دور میں یہ باتیں کہنا تو آسان ہیں۔ لیکن وہ کون سا فکر اور فلسفہ تھا جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے تعلیم کو مرد و عورت کے لئے ضروری تصور کیا، دنیا کی وہ کون تہذیب تھی، جس نے محنت کش کو خدا کا دوست قرار دیا، جب کہ اس وقت اسے ہیچ اور نیچ سمجھا گیا تھا۔ وہ کون سی تہذیب تھی جس نے انسان کی غلامی پر قدغنیں عائد کیں اور اس سے نجات کی ترغیب دلائی بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسان کو خود کرنا تھا اس میں کسی جبر کا دخل نہیں تھا، کیوں کہ اس مذہب نے انسان کو بالغ آزاد اور خود مختار قرار دیا۔

۴۔ اس مذہب کا مقصد انسانی ذات میں ایک مسلسل اور ختم نہ ہونے والی انقلابی لہر کو قائم اور دائم رکھنا تھا، جو انسانی وجود کا لازمی جزو ہے۔ اس لہر کا اثر حقیقتاً دنیا کے گوشے گوشے میں یا جہاں بھی انسان موجود تھا۔ وہاں براہ راست یا بالواسطہ پر دیر یا سویر محسوس کیا گیا۔ اس لئے بجاطور پر یورپ میں احتجاجیت (Partokestanism) یا عیسائیت کو مہذب بنانے کی تحریک اصلاح (Reformation) جس کی وجہ سے اہل یورپ کو پاپائیت اور کلیسا کے ظلم اور فریب سے نجات ملی یہ سب کچھ اس انقلابی لہر کا نتیجہ تھا۔ اس طرح ہندستان میں مذہبی اصلاح کی تحریکیں جو رامائن کبیر اور گرونانک کی تعلیم کے ذریعے ہوئی وہ بھی اس تہذیب کے عالم گیر تاثیر کا نتیجہ تھیں۔

۵۔ نئے دورے کے انسان کے انتہائی اہم تصورات (جو اس فکر و عمل کا حصہ بن گئے ہیں (جیسا کہ انسانی مساوات آزادی برابری اور دوسری جمہوری اقدار (مثلاً قانون کی نظر میں سارے انسانوں کا برابر ہونا (ان تصورات کا آغاز بھی اس تہذیب سے ہوا، جو صدیوں تک سفر کر کے یورپ میں پہنچیں یورپ کے نشاۃ ثانیہ (Renaissance 1350-1600AD) کی بنیاد بھی اس تہذیب کی اعلیٰ قدریں ہی تھیں۔

۶۔ یہی مذہب تھا جس کی کتاب کی تعلیمات صرف مذہبی احکام تک محدود نہیں اس کتاب نے نہ صرف سائنس اور حکمت کی صحیح بنادیں فراہم کیں بلکہ وہ دنیا کے اعلیٰ ادب کا ایک انتہائی نادر نمونہ ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے ادب اور شاعری پر نہایت گہرے اثرات مرتب ہوئے ۔اس کتاب کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ہیئت اور صورت (Form) کے مقابلہ میں معنی(Meaning)اور اہمیت(Significance)پر زور دیا گیا۔اس تحریک نے ادبی دنیا میں ایک بڑا انقلاب برپا کیا، جس کے اثرات آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ البتہ نئے دور کے نقاد اس حقیقت سے یا تو بے خبر ہیں یا پھر وہ اسے جان بوجھ کر تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔"(20)۔

حوالہ جات

(1)۔ آئینہ حق۔ موسیٰ بھٹو، محمد- علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۲۰۰۰ء صفحہ ۸،۶

(2)۔ عرفان حق -موسیٰ بھٹو، محمد – علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۔۶

(3)۔ مشاہدہ حق۔ موسیٰ بھٹو، محمد۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۲۰۰۷ء۔ صفحہ ۔۶

(4)۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۔۲۳

(5)۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۴۔۲۵

(6)۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۵۔۲۶

(7)۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۶۔۲۷

(8)۔ ایضاً۔ صفحہ ۔۱۲۴

(9)۔ شعب الایمان للبیہقی۔ أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی البیہقی- باب العلم۔ الرقم:1547۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت - الطبعۃ الثالثۃ، 1424ھ-

(10)۔ ایضاً۔ باب کسب الرجل وعملہ بیدیہ۔ الرقم:11695

(11)۔ مشاہدہ حق۔ موسیٰ بھٹو، محمد۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۲۰۰۷ء۔ صفحہ ۔۶۔ صفحہ ۱۶۶۔۱۶۸

(12)۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۸۹

(13)۔ آئینہ حق۔ موسیٰ بھٹو، محمد۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۲۰۰۰ء۔ ۲۱ تا ۳۱

(14)۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۸۔۵۹

(15)۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۷

(16)۔ ایضاً۔ صفحہ ۷۲

(17)۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۶۔۳۷

(18) سورۃ آل عمران۔ 190/3

(19)۔ عرفان حق۔ موسیٰ بھٹو، محمد۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی۔ مطبوعہ ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۶۶۔۶۷

(20)۔ صوفی لاکوفی۔ سومرو، عبدالغفار۔ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ۔ جام شورو۔ صفحہ ۱۱ سے ۱۳۔